

اور برجستگی میں بے نظیر ہیں۔ یہ بامقصد اور صالح تحریریں نہایت مؤثر سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی اور ازل و یزد بردل خیز دکا عمدہ نمونہ ہیں۔ یہ وہ ادب ہے جس کی تابندگی اور تاثیر کے سامنے ساری لفاظیاں اور ساری خطابت بیچ معلوم ہوتی ہے۔ اور غالباً یہی بڑا سبب ہے کہ ان کی کتابیں نہایت مقبول عام ہیں۔

حضرت نعمانی ایک عالم ربانی تھے اور نہایت جامع کمالات شخصیت، جو بیک وقت دینی خدمات کے کئی سارے محاذوں پر سرگرم۔ علماء ربانین اور جماعت دیوبند کے اکابرین سے مخلصانہ روابط و تعلق اور ان سے عقیدت و احترام اور اس مسلک کی حفاظت میں وہ سرگرم رہے۔ اکابر سے روحانی کسب و فیض ایک طرف انجام پارہا ہے دوسری طرف تبلیغی جماعت کے ساتھ طویل دعوتی و اصلاحی دورے ہو رہے ہیں۔ تیسری طرف الفرقان کی ادارت کا فریضہ بھی ہے جس پر نامساعد حالات بھی آتے ہی رہتے ہیں۔ خانگی ذمہ داریاں اور اہل خانہ اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی پوری توجہ ہے۔ علمی، دینی، دعوتی و فکری تصنیفات کا سلسلہ الگ ہے۔ خطابات اور مکتوبات کی جولانیاں ہیں۔ تبلیغی جماعت کے بارے میں یار لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ”آسمان سے اوپر کی اور زمین سے نیچے کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کرتے“، مگر حضرت نعمانی کی زندگی اور ان کی ساری چلت پھرت اس مشہور عام مقولہ کی مکمل تردید کرتی ہے، کہ وہ تبلیغی جماعت کے بارے میں بھرپور وقت لگانے کے ساتھ دوسرے اجتماعی تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں، ملی و جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر شامل، عام مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت، اسلام و اسلامی تعلیم اور مسلم پرسنل لا کی بقاء کی جدوجہد سے ذرا بھی غافل نہیں ہیں بلکہ دوسروں سے کچھ آگے ہی ہیں۔

تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب صاحب سوانح کی 70 سے کچھ اوپر سالوں کی جہد و عمل کی داستان راستان ہے۔ ان کی 92 سال کی یہ بابرکت اور بافیض زندگی تلاش حق، احیاء دین، عقائد حقہ کے تحفظ، ملت اسلامیہ کی اصلاح، تزکیہ و سلوک، رسوخ فی العلم، اخلاص عمل اور روشن ملی خدمات کے تابندہ نقوش کی ایک تاریخ ہے جس میں قاری ایک پورے عہد کو اپنے سامنے پاتا ہے۔ بعض جگہوں پر مصنف نے کچھ اختصار سے کام لیا ہے۔ ورنہ حضرت نعمانی کا ذکر جمیل ہو اور مولانا عتیق الرحمن سنہلی کا گہر بار قلم ہو تو یہی جی چاہتا ہے کہ یہ تذکرہ اور دراز ہو اور دراز ہو۔ حضرت نعمانی کی ایک مکمل سوانح عمری اہل علم پر ایک قرض تھا جو اس کتاب سے اتر گیا ہے اور واقعہ ہے کہ خانوادہ نعمانی میں بھی شاید کوئی اور مصنف مدظلہ سے بہتر اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا۔

کتاب میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جو ہم جیسے طالبان علم کے لیے عقدہ کشا اور سرمہ بصیرت ہیں۔ امید ہے کہ مصنف مدظلہ کی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ (تبصرہ نگار: ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی)

جان کائر کی کتاب ”امیر عبدالقادر الجزار“ پر ماہنامہ ”الحق“ کا تبصرہ

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مسلم ممالک پر مغرب نے اپنے نئے حملوں کا آغاز کر دیا، بہت سے مسلم ممالک پر قبضہ کر کے اپنے استعماری تسلط کو برقرار رکھا۔ اس استعماری یلغار کے خلاف ان مسلم ممالک کے عوام الناس اور علماء و کرام نے مزاحمت کا پرچم بلند کیا۔ اپنی جرات و استقلال عزیمت و استقامت حوصلہ اور تدبیر کی داستانیں تاریخ

میں مثبت کیں اور ان کی قربانیوں کو اپنوں نے کیا، ان کے دشمنوں نے بھی سراہا اور جب ۱۸۳۰ء میں فرانس نے مسلمانوں کے ریاست الجزائر پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی، جس کی مزاحمت میں اس وقت کے عظیم مجاہد شیخ المدین نے فرانسیسوں کے خلاف جہادی تنظیم منظم کی۔ اس کے دیر پا ثمرات مرتب ہونے پر اس نے اپنے جواں سال بیٹے عبدالقادر کو امیر بنا کر باقاعدہ جدوجہد کا آغاز کیا اور رفتہ رفتہ ایک بڑی تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ امیر عبدالقادر جوان، توانا، باہمت اور پر عزم ہونے کے ساتھ ساتھ جذبات کی رو میں پہنے والی شخصیت نہیں تھے بلکہ ہر قدم کو غور و تدبر اور اپنی جماعت مجاہدین کی وسیع تر مفاد کی بنیاد پر اٹھاتے رہے۔

زیر تبصرہ کتاب اس عظیم مجاہد کی طویل جدوجہد پر مبنی عزیمت و جہاد کی لمبی داستان ہے جو آج کے ہر نوجوان، ہر عالم دین اور ہر مجاہد کے لیے مشعل راہ ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں نامور سکا لراعلامہ زاہد الراشدی صاحب لکھتے ہیں: ”امیر عبدالقادر الجزائر، مغربی استعمار کے تسلط کے خلاف مسلمانوں کے جذبہ حریت اور جوش و مزاحمت کی علامت تھے اور وہ اپنی جدوجہد میں جہاد کے شرعی و اخلاقی اصولوں کی پاس داری اور اپنے اعلیٰ کردار کے حوالے سے امت مسلمہ کے محسنین میں سے ہیں۔ ان کے سوانح و افکار اور عملی جدوجہد کے بارے میں جان کا نزر کی یہ تصنیف نئی پود کو ان کی شخصیت اور جدوجہد سے واقف کرانے میں یقیناً مفید ثابت ہوگی۔ ایسی شخصیات کے ساتھ نئی نسل کا تعارف اور ان کے کردار، افکار اور تعلیمات سے آگاہی استعماری تسلط اور یلغار کے آج کے تازہ عالمی منظر میں مسلم امہ کے لئے راہنمائی کا ذریعہ ہے اور اس سمت میں کوئی بھی مثبت پیش رفت ہمارے لئے ملی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔“

بد قسمتی سے معاصر مذہبی رسائل و جرائد میں امیر عبدالقادر الجزائر کی بہت زیادہ کردار کشی کی گئی، انہیں نقلی اور جعلی مجاہد جیسے القابات سے یاد کیا گیا۔ لیکن بنیادی طور پر ایک نقطہ سب کی نظروں سے اوجھل رہا۔ وہ یہ کہ کتاب ایک انگریز مصنف جان کا نزر کی تصنیف ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں جو اس نے اپنی طرف سے شامل کی ہیں، ان کا امیر سے کچھ تعلق ہے یا نہیں؟ ہمیں ان مسائل کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ کوئی مسلمان مصنف اور مورخ اردو یا عربی میں ان کی سوانح لکھتا، لیکن افسوس کہ ہم اپنوں کی قدر نہ کر سکے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے امیر عبدالقادر کی تشبیہ مولانا عبید اللہ سندھی سے دے کر بہت سے مسائل کو سلجھا دیا ہے۔ کاش مولانا سندھی کے تحریک کا ادراک ہم کرتے ہیں اور یہ عقده بڑی آسانی سے حل ہوتا۔ امیر عبدالقادر کو عرب دنیا خصوصاً الجزائر وغیرہ میں اب بھی وہی حیثیت حاصل ہے جس طرح اسلامی دنیا خصوصاً پاکستان و افغانستان میں شیخ اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر صاحب مدظلہ کو حاصل ہے۔

بہر حال کتاب ظاہری و معنوی ہر اعتبار سے مرصع ہے۔ البتہ ترجمہ کو مزید سلیس، رواں اور آسان بنانے کی ضرورت ہے۔ ۴۵۴ صفحات پر مشتمل یہ تاریخی دستاویز مکتبہ امام اہل سنت مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ سے دستیاب ہے۔